وہابیوں کی سیاسی بازی گری

تحریر: طارق انور مصباحی

ناشر:

اعلی حضرت ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی (توپسیا: کلکتہ)

(یٰایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا)

(سورہ حجرات: آیت٦)

برصغیر کے وهابیه اوردیابنه کی سیاسی تاریخ

وہابیوں کی سیاسی بازی گری

تحریر

طارق انور مصباحی

ناشر

اعلیٰ حضرت ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی (توپسیا: کلکتہ)

نام رسالہ: وہابیوں کی سیاسی بازی گری

تحریر: طارق انور مصباحی

صفحات: چالیس(40)

سال اشاعت: ماہ ذی الحجہ 1443

ماہ جولائی 2022

ناشر: اعلیٰ حضرت ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی

(توپسیا: کلکتہ)

فہرست مضامین

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: :الحمد للّٰہ رب العٰلمین

والصلٰوۃ والسلام علٰی افضل المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین

بھارت میں جب سے فرقہ پرست قوتیں برسر اقتدار آئی ہیں، تب سے تمام کلمہ گو طبقات وجماعات کے اتحاد واتفاق کے خیال وفکر کو عروج وفروغ میسر آیا۔ملکی وریاستی حالات وحوادثات نے لوگوں کی ہمت وجرات میں ہیجانی کیفیت پیدا کر دی،اور بعض تعلیم یافتگان بھی ضالین ومرتدین سے سیاسی اتحاد اور عملی اشتراک پر غور وفکر کرنے لگے۔

بھارت میں متعدد باطل فرقے پائے جاتے ہیں۔ان میں سے دیابنہ،غیر مقلدین، مودودی اور شیعہ کی معتد بہ تعداد ہے۔قادیانی،اہل قرآن،تفضیلی وغیرہا قلیل التعداد ہیں۔

جس طرح ایمان واعتقاد کے باب میں اہل وسنت وجماعت کے علاوہ کوئی قابل شمار نہیں،اسی طرح وثوق واعتماد کے باب میں سنی مسلمانوں کے علاوہ کوئی قابل اعتبار نہیں۔

برصغیر کی بدمذہب جماعتوں کی سیاسی تاریخ شاہد عدل ہے کہ یہ لوگ اسلام ومسلمین کی حمایت ورعایت نہیں کرتے،بلکہ اہل حکومت کی تابعداری وجی حضوری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ایسی صورت میں گمراہ ومرتد جماعتوں سے سیاسی اتحاد وعملی اشترک ضرررساں وسبب نقصان ہوگا۔رسالہ حاضرہ میں وہابیہ،دیابنہ،روافض وقادیانیہ کے سیاسی احوال مرقوم ہیں۔

شریروں اور بروں کی صحبت ومعیت سے شرارت وبرائی انسانی قلوب واذہان میں جاگزین وپیوست ہونے لگتی ہے،پس فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا،لہٰذا اہل سنت وجماعت کو متحد ومتفق اور منظم ومتحرک بنانے کی سعی وکاوش کی جائے۔اللہ ہماری مدد فرمائے:(آمین)

اہل سنت وجماعت آج بھی بھارت میں کثیر التعداد ہیں۔ان سے ہی وہ کام لیے جائیں جو کام دوسروں سے لینے کا خیال ہو۔بدمذہبوں سے سیاسی اتحاد بھی صلح کلیت کی راہ

کشادہ کردے گا۔شریعت اسلامیہ میں سدذرائع کا اصول متعارف ومشہور ہے۔

اسلاف کرام نے بدمذہبوں سے سیاسی اتحاد کی اجازت نہیں دی۔ہاں،بوجہ حاجت بعض مشترکہ کمیٹیوں اور مشترکہ مجلسوں میں بعض متصلب سنی علمائے کرام کو مذہب اہل سنت وجماعت کا نمائندہ بنا کرضرور بھیجا گیا تھا۔اگر آج بھی سیاسی اتحاد سے نمائندوں کا تقرر ہی مراد ہے تو سودوزیاں کا تخمینہ لگالیں اور پیش قدمی کریں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ میں بعض علمائے اہل سنت وجماعت بطور نمائندہ شریک ہوئے۔انجام کار شرکت کو بے فائدہ،بلکہ مضر سمجھ کر اس سے جدا ہوگئے۔اگر آج بھی اسی صورت کے وقوع کی امید ہے تو بلا وجہ محنت ومشقت کی ضرورت نہیں۔جو حضرات تجربہ حاصل کرنا چاہیں،وہ ملک گیر مشترکہ کمیٹیوں میں شریک ہو کر حالات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت(تشکیل شدہ:1964)اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ(قائم شدہ:1972)پہلے ہی سے موجود ہیں۔مسلم پرسنل لا بورڈ میں سنی جماعت کے بھی بعض افراد شامل ہیں۔یہ دونوں تنظیمیں خود کو تمام کلمہ گو طبقات کی نمائندہ جماعت تسلیم کرتی ہیں۔اگر یہ دونوں تنظیمیں کامیاب نہیں تو کسی جدید تنظیم کی کامیابی کی بھی کوئی ضمانت نہیں۔اگر جدید جماعت ہی کی ضرورت ہو تو پاپولر فرنٹ آف انڈیا(قائم شدہ:22:نومبر 2006)ایک جدید ملک گیر تنظیم ہے۔اس کا قیام بھی سوشل جسٹس کے واسطے ہوا تھا۔

یہ ایک متحرک اور منظم تحریک شمار کی جاتی تھی،پھر خبر آئی کہ حکومت ہند کا اس پر کچھ اعتراض ہے اور حکومت اس پر پابندی عائد کرسکتی ہے۔مذکورہ تنظیموں کے علاوہ بھی بعض ملک گیر تحریکیں ہیں۔بتایا جاتا ہے کہ بعض تنظیمیں حکومت کے زیر اثر کام کرتی ہیں:واللہ تعالیٰ اعلم

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم::والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم::وآلہ العظیم

طارق انور مصباحی

18:ذی الحجہ 1443 مطابق 18:جولائی 2022=بروز:دوشنبہ

وہابیوں اور دیوبندیوں کی سیاسی تاریخ

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

ارباب حکومت واصحاب قوت کی کاسہ لیسی

وہابیہ اور دیابنہ ہمیشہ اہل حکومت واصحاب قوت کی تابعداری اور ان کی تائید وحمایت کرتے رہے ہیں ۔ برصغیر میں وہابیوں کا امام الطائفہ اسماعیل دہلوی ودیگر اکابر بھی اسی مرض میں مبتلا تھے۔ وہابیہ اور دیابنہ کے معتبر حوالوں سے چند تاریخی حقائق مندرجہ ذیل ہیں۔

تاریخی حقائق میں تحریف

اسماعیل دہلوی فرنگیوں کا دلدادہ تھا۔ وہ انگریزی حکومت کو اپنی حکومت تصور کرتا تھا۔ اسی نہج پر اس کے متبعین یعنی مقلد وہابیہ اور غیر مقلد وہابیہ چلے، اور آج تک وہابیوں کا طریقہ کار رہے کہ ارباب حکومت کی چاپلوسی اور اپنی مطلب برآری وغرض دنیاوی کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ جنگ غدر: 1857 جو دراصل بھارت کی پہلی جنگ آزادی تھی، اس وقت بھی مقلد وغیر مقلد وہابیوں نے دل کھول کر انگریزوں کی حمایت کی۔

جب انگریز برصغیر سے چلے گئے تو اب تاریخ میں تحریف وتبدیل اور جدید کہانیاں اختراع کی گئیں، اور یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسماعیل دہلوی اصل میں انگریزوں سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح جنگ آزادی میں وہابیہ اپنا مجاہدانہ کردار ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ جنگ آزادی جو جنگ غدر کے نام سے مشہور ہے، اس کے روح رواں بطل حریت حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تھے۔

اہل سنت وجماعت نے دین ومذہب کو تصلب کے ساتھ اختیار کیا۔ دنیاوی امور سے دست بردار ہو گئے۔ انہوں نے آخرت کو ترجیح دی اور دنیا سے منہ موڑ لیا۔ ہاں، بوقت

ضرورت قوم کی سیاسی رہنمائی ضرورکی ہے۔جنگ آزادی: 1857 کا فتویٰ صادرفرمانے والے رئیس الاحرار علامہ فضل حق خیرآبادی تھے۔انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی صادرفرمایااور بعض مواقع پر جنگ کی قیادت بھی فرمائی۔

علمائے اہل سنت و جماعت نے سیاست کے ذریعہ دنیا کمانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خاں(1695-1951) نے محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی (1894-1961)قدس سرہ سے گزارش کی کہ آپ مستقل طور پر پاکستان میں اقامت پذیر ہو جائیں اور پاکستان کی مجلس قانون ساز کی صدارت کا عہدہ قبول فرمالیں۔محدث اعظم ہند نے جواب میں تحریرفرمایا۔

’’آئین سازادارہ کی صدارت کی پیش کش کا شکریہ۔فقیر کے لیے ہندوستان میں قیام ملت اسلامیہ کے لیےازحد ضروری ہے۔خواجہ ہند کے ہندوستان کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔ فقیر سانڈ نہیں ہے،نتھا ہوا بیل ہے۔اس کا ایک کھونٹا ہے،اوروہ ہے سلطان سید اشرف جہانگیر سمنان کا دربار پاک۔فقیر اس ملک کو نہیں چھوڑ سکتا‘‘۔

(ماہنامہ حجاز جدید(دہلی)ماہ اپریل1990:ص51-52)

وہابیوں اور دیوبندیوں کی انگریز نوازی

دوسری جانب اسماعیل دہلوی اوراس کے پیروکاروں کی فکرونظر دیکھیں کہ کس طرح اہل حکومت کی خوشنودی کی خاطر دین واسلام کو پامال کرتے رہے۔یہ لوگ حرص دنیا میں عوام الناس سے بھی چار قدم آگے ہیں۔جب تک انگریزوں کا چراغ روشن رہا،تب تک یہ لوگ انگریزوں کی خوشامد کرتے رہے۔جب آزادی کی آندھی تیز ہوئی،اور دیکھا کہ اب انگریز زیادہ دنوں تک برصغیر میں ٹک نہیں پائیں گے،تب یہ لوگ کانگریس کی چاپلوسی و ناز برداری میں لگ گئے،اورآج تک دیوبندی جمعیۃ العلما کانگریس کی کاسہ لیسی میں مبتلا ہے۔ دیابنہ اوروہابیہ کانگریس کا دامن پکڑکرخوش وخرم رہےاوراسے اپنے لیےایک اعزاز

وفخر سمجھتے رہے، بلکہ دیوبندیوں کے اعتراف کے مطابق گاندھی کو لیڈر بھی دیوبندیوں نے ہی بنایا اور ہمیشہ اس کی پیروی پر فخر کرتے رہے۔اسلامی اصول وقوانین سے بھی سرتابی کرتے رہے۔مسلمانوں کے مفادات کے لیےان لوگوں نے مستحکم کوشش نہیں کی۔

(1)رائے بریلوی سے متعلق اس کے ایک پیروکار عبدالرحیم صادق پوری نے لکھا: ''سیداحمد صاحب کی برابر یہ روش رہی ہے کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادۂ جہاد کرتے اوردوسری جانب حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کواس کے مقابلے سے روکتے تھے''۔(الدرالمنثور:ص252-بحوالہ:حقائق تحریک بالاکوٹ:ص69-لاہور)

(2)جعفرتھانیسری نے لکھا:''یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روزمولانا محمداسماعیل شہید وعظ فرمارہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکارانگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یانہیں؟اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بےروریا اورغیرمتعصب سرکار پرکسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں''۔

(سوانح احمدی:ص57-بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ)

(3)مرزاحیرت دہلوی نےلکھا:''کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے ،اورسکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا۔آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟آپ نے جواب دیا:ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں۔ایک تو ان کی رعیت ہیں۔دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ہمیں ان کی حکومت میں ہرطرح آزادی ہے، بلکہ ان پرکوئی حملہ آورہوتو مسلمانوں پرفرض ہے کہ وہ اس سےلڑیں،اوراپنی گورنمنٹ پرآنچ نہ آنے دیں''۔(حیات طیبہ:ص423-424-اسلامی اکادمی لاہور)

(4)جعفرتھانیسری نےلکھا:''ایک صحیح روایت یہ بھی ہے کہ جب آپ سکھوں سے

جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے، کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو، انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں، اور دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا، کیوں کہ سینکڑوں کوس سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان میں جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے لڑنا یہ ایک ایسا امر محال ہے جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے۔

سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا، نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے۔ بلکہ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یا ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آ جائیں گے تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی، اور سرکار انگریزی کو منکر اسلام ہے، مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی، اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے''۔ (سوانح احمدی (تواریخ عجیبہ): ص72- بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ)

(5) جعفر تھانیسری نے رائے سید احمد بریلوی سے متعلق لکھا: ''آپ کی سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے کھلے اور علانیہ طور پر سید صاحب نے بدلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا ہے''۔

(سوانح احمدی (تواریخ عجیبہ): ص246- بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ)

(6) حسین احمد ٹانڈوی نے لکھا: ''جب سید احمد صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا، اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی''۔ (نقش حیات: جلد دوم: ص419- دارالاشاعت کراچی)

(7) جعفر تھانیسری نے لکھا: ''سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز

ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عمل داری کو اپنی ہی عمل داری سمجھتے تھے، اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی، مگر سرکار انگریز اس وقت دل سے یہ چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو"۔

(سوانح احمدی (تواریخ عجیبہ): ص139 - بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ)

جنگ آزادی: 1857 اور وہابیہ کی مخالفت

(1) غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار فضل حسین بہاری نے لکھا: "حج کو جاتے وقت بھی جو چٹھی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی، اس کی نقل سفر حج کے بیان میں ہدیہ ناظرین کی جائے گی، مگر اسی کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے۔ زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جب کہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا، نہ مہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ میاں، وہ ہلڑ تھا۔ بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا؟ حشرات الارض خانہ برانداز وں نے تمام دہلی کو خراب کیا۔ ویران، تباہ اور برباد کر دیا۔ شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے۔

ہم نے تو اس فتوے پر دستخط نہیں کیا۔ مہر کیا کرتے اور کیا لکھتے؟ مفتی صدرالدین صاحب چکر میں آ گئے۔ بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے، مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے"۔

(الحیاۃ بعد المماۃ: ص76 - المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ضلع شیخوپورہ)

(2) نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا: "علمائے اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرمارواہیں، اس وقت سے یہ ملک دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دار الاسلام ہے، اور جب یہ ملک دار الاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا چہ معنی

، بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے، اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دار الحرب ہے جیسے بعض علمائے دہلی وغیرہ، ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں، جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو، غرض یہ کہ دار الحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں''۔

(ترجمان وہابیہ: ص22-23-مطبع مفید عام آگرہ)

(3) نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا: ''اسی طرح زمانہ غدر میں جو لوگ سرکار انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی، وہ جہاد نہ تھا، فساد تھا''۔ (ترجمان وہابیہ: ص79-آگرہ)

(4) ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے لکھا کہ ڈپٹی نذیر احمد بجنوری دہلوی نے ایک لیکچر میں کہا: ''۱۸۵۷ء کے غدر میں، میں اپنے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز بھلے سے ہوں تو سمٹ کر تھوڑے دنوں کے لیے سمندر میں ہو رہیں۔ یہی باغیان ناعاقبت اندیش برخود غلط، جو عمل داری کے تنزل سے خوش ہیں، چندروز میں عاجز آ کر بہ منت انگریزوں کو منا لائیں تو سہی۔ میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں''۔

(مولوی نذیر احمد دہلوی: از ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی: ص156-مجلس ترقی ادب لاہور)

(5) ایک لیکچر میں ڈپٹی نذیر احمد بجنوری نے کہا: ''ہماری سلطنت جاتی رہی تو خدا نے برٹش گورنمنٹ میں ہم کو اس کا نعم البدل عطا فرمایا ہے''۔

(مولوی نذیر احمد دہلوی: از ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی: ص160-مجلس ترقی ادب لاہور)

(6) محمد حسین بٹالوی نے 1876 میں رسالہ: ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' لکھا۔ اس کی وجہ تالیف سے متعلق مرقوم ہے: ''حکام نے مولوی محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں سرکار سے جہاد درست ہے یا نہیں؟ تب انہوں نے ایک کتاب لکھی اور بہت علما سے دستخط کرا کے بھیجی کہ ہم لوگ اہل حدیث کے مذہب میں بادشاہ سے جس

کے امن میں رہتے ہیں، جہاد حرام ہے''۔(اشاعۃ السنۃ: جلد دہم: شمارہ2:ص36)

(7)محمد حسین بٹالوی(1840-1920) نے لکھا:''مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار اور بحکم قرآن وحدیث وہ مفسد و باغی، بدکردار تھے۔ اکثر ان میں عوام کالانعام تھے۔بعض جو خواص وعلما کہلاتے تھے، وہ بھی اصل علوم دین سے بے بہرہ تھے، یا نافہم و بے سمجھ۔ باخبر و سمجھ دار علما اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے، اور نہ اس فتویٰ پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لیے مفسد لیے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔اس کی تفصیل ہم اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۸ میں کر چکے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ مولوی اسماعیل دہلوی جو حدیث وقرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے، اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن وعہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں۔اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں سے لڑے''۔

(الاقتصاد فی مسائل الجہاد:ص50.49-مکتبۃ الجمال خانیوال ملتان)

(8)عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا:''جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی، انہوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن وعافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا، اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا''۔(تذکرۃ الرشید: حصہ اول:ص73-ساڈھورہ)

(9)عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا:''جیسا کہ آپ حضرات (گنگوہی ونانوتوی) اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے، تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے''۔

(تذکرۃ الرشید: حصہ اول:ص79-بلالی سٹیم ساڈھورہ)

(10)میرٹھی نے جنگ غدر کے موقع پر گنگوہی، نانوتوی ودیگر اکابر دیابنہ کی انگریز نوازی اور انگریز کی حمایت میں ایک شخص کی ہلاکت کا واقعہ اس طرح لکھا ہے:

''ان ایام میں آپ کو ان مفسدوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا جو غول کے غول پھرتے تھے۔حفاظت جان کے لیے تلوار البتہ ساتھ رکھتے تھے، اور گولیوں کی بوچھار میں بہادر شیر کی

طرح نکلے چلے آتے تھے۔ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی (امداداللہ) صاحب ونیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا،اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پراجما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جانثاری کے لیے تیار ہوگیا۔اللہ رے شجاعت وجواں مردی کہ جس ہول ناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہوجائے،وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔چناں چہ آپ (گنگوہی) پر فیریں ہوئیں،اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے''۔

(تذکرۃ الرشید: حصہ اول:ص74-75-بلالی سٹیم ساڈھورہ)

(الف) یہ ایسے غدار اسلام تھے کہ مجاہدین آزادی کو بھی ان کی غداری کا علم تھا۔

(ب) انہیں اپنی غداری کے سبب مجاہدین کے حملے کا خطرہ بھی رہتا تھا،اسی لیے تلوار کے ساتھ پھرا کرتے تھے۔

(ج) جان پر آبنی،پھر بھی انگریزوں کی حمایت کا زبانی انکار بھی نہ کیا،بلکہ مجاہدین سے آمادۂ پیکار ہوئے۔

(د) جو انگریزوں کا مخالف ہو،یہ حضرات انہیں اپنا مخالف گردانتے تھے۔

(ہ) انگریز نوازی میں وہابیوں نے اپنی جان بھی گنوائی ہے۔

(و) مندرجہ ذیل اقتباس میں دیکھیں کہ جولوگ حضور اقدس مالک کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا مالک تصور نہیں کرتے،وہ انگریزوں کو اپنا مالک ومختار اعتقاد کرتے ہیں،یہاں تک کہ وہ اپنی جان کا بھی انہیں مالک ومختار سمجھتے ہیں۔

(11) میرٹھی نے لکھا:''شروع ۱۲۷۶ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا،جس میں

حضرت امام ربانی قدس سرہ (یعنی گنگوہی) پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا''۔

(تذکرۃ الرشید: حصہ اول:ص73-بلالی سٹیم ساڈھورہ ضلع انبالہ)

(12) میرٹھی نے الزام بغاوت کے بعد گنگوہی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا:

''اور (گنگوہی) سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا، اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے، اسے اختیار ہے، جو چاہے، کرے''۔(تذکرۃ الرشید: حصہ اول:ص80-بلالی سٹیم ساڈھورہ)

(13) الطاف حسین حالی (1837-1914) نے سرسید سے متعلق لکھا:

''سید احمد خاں کو حسن خدمات غدر کے صلہ میں ضلع بجنور کے ایک بڑے مسلمان رئیس باغی کا بڑا بھاری علاقہ سرکار نے دینا تجویز کیا تھا، مگر سید احمد خاں نے صرف اسی وجہ سے اس کے لینے سے انکار کیا کہ ایک مسلمان بھائی کے خون سے اپنی پیاس بجھانی ان کو کسی طرح گوارا نہیں ہوسکتی تھی''۔(حیات جاوید: جلد اول 94-ارسلان بکس آزاد کشمیر)

(14) الطاف حسین حالی نے لکھا کہ برطانوی حکومت کے خاص افراد میں سے ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر (William Wilson Hunter)(1840-1900) نے 1871 میں ایک کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان''(Our Indian Musalmans) لکھ کر شائع کی۔اس کتاب میں اس نے اپنی دانست کے مطابق یہ ثابت کیا تھا کہ:

''مسلمان ایسی قوم ہے جو گورنمنٹ سے لڑنا اور جہاد کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتی ہے اور گورنمنٹ کی کسی طرح خیر خواہ نہیں بن سکتی، نیز وہابیت اور بغاوت مترادف الفاظ ہیں، پس گورنمنٹ کو ان کی طرف سے مطمئن اور بے فکر نہیں رہنا چاہئے''۔

(حیات جاوید: جلد اول:ص209-ارسلان بکس کشمیر)

سرسید (1817-1898) نے ہنٹر کی کتاب پر اپنا تاثر (ریویو) لکھا۔یہ ریویو ڈیلی انگریزی اخبار پایونیر (The Pioneer)(الہ آباد) میں شائع ہوا۔

حالی نے لکھا: ''ہندوستان میں جب یہ ریویو پایونیر کے ذریعہ سے شائع ہوا، انہیں دنوں میں پایونیر مورخہ ۲۳: نومبر ۱۸۷۱ء میں ایک بہت مبسوط آرٹیکل جو کسی بڑے لائق عربی داں انگریز کا لکھا ہوا تھا اور جس کی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ وہ سر ولیم میور کا لکھا ہوا تھا، ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب کے برخلاف گویا سرسید کی تائید میں چھپا اور پایونیر سے سوسائٹی اخبار میں نقل ہوا۔ اس آرٹیکل میں نہایت عالمانہ لیاقت سے ڈاکٹر ہنٹر کے شبہات کا جواب دیا گیا تھا اور سرسید کی تائید کی گئی تھی۔ اس کے آخر کے چند فقرے ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں:

''وہابی وہ ہے جو خالصاً خدا کی عبادت کرتا ہو، موحد ہو، اور اس کا اسلام ہوائے نفسانی اور بدعت کی آمیزش سے پاک ہو۔ اس کو یہ کہنا کہ وہ ہمیشہ در پردہ تخریب سلطنت (انگریزی حکومت) کی فکر میں (رہتا ہے)، اور چپکے چپکے منصوبے باندھا کرتا ہے، اور غدر اور بغاوت کی تحریک کرتا ہے، محض تہمت ہے۔ ہم اس وقت بہت سے ایسے آدمی کا نشان دے سکتے ہیں جو سرکار کے ایسے ملازم ہیں کہ ان سے زیادہ سرکار کا خیر خواہ اور معتمد کوئی نہیں۔

باایں ہمہ وہ اپنے تئیں علی الاعلان اور بے تأمل فخریہ طور پر وہابی کہتے ہیں، اور (انگریزی) سرکار نے بے سوچے سمجھے ان کو معتمد علیہ نہیں گردانا، بلکہ غدر (جنگ آزادی: ۱۸۵۷ء) کے زمانے میں جب کہ فتنہ کی آگ ہر طرف مشتعل تھی، ان کی وفاداری کا سونا اچھی طرح تاپا گیا، اور وہ خیر خواہی سرکار میں ثابت قدم رہے۔ اگر وہ جہاد کا وعظ کہتے ہوتے، اور بغاوت وہابیت کی اصل ہوتی تو جو کچھ ان سے ظہور میں آیا، یہ کیوں کر ظہور میں آتا۔ ہم ڈاکٹر ہنٹر کی آگاہی کے لیے ان لوگوں کے چال چلن کو پیش کرتے ہیں''۔

(حیات جاوید: جلد اول: ص212-213-ارسلان بکس آزاد کشمیر)

وہابیت کی اصل بغاوت ہی ہے، لیکن اہل حکومت واصحاب قوت سے بغاوت نہیں، بلکہ اسلام واہل اسلام سے بغاوت اور مخالفین اسلام سے محبت، جیسے عرب میں وہابیوں نے سلطنت عثمانیہ اسلامیہ سے بغاوت کی، اور نصاریٰ سے محبت کا سلوک کیا۔ اسی طرح ہند میں

سلطنت مغلیہ اسلامیہ سے بغاوت، اور انگریزوں سے محبت کا برتاؤ کیا۔ غداروں کے سبب عرب میں سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا اور بھارت میں سلطنت مغلیہ کا نام ونشان مٹ گیا۔

(15) گاندھی کو سیاسی قائد بنانے میں بھی وہابیہ اور دیابنہ کا اہم کردار ہے۔ جب وہابیوں کو اندازہ ہو گیا کہ اب برصغیر میں انگریزوں کا اقتدار چراغ سحری کی مثل ٹمٹمار ہا ہے، تب انہوں نے ہندؤں کی کثرت تعداد کے سبب اندازہ لگا لیا کہ انگریزوں کے بعد ہنود کا نمبر ہے۔ یہ سوچ کر وہابیہ اور دیابنہ نے ہندؤوں کی کاسہ لیسی شروع کر دی۔

اگر مسلمانوں کی جانب سے آزادی ہند کی انفرادی کوشش ہوتی تو مسلمانوں سے لی گئی حکومت مسلمانوں کو ملنے کی امید تھی۔ انگریز بھی کہہ چکے تھے کہ جب مسلمان پڑھ لکھ کر حکومت کے لائق ہو جائیں گے تو حکومت ان کے سپرد کر دی جائے گی، مگر وہابیہ کو تو اہل اسلام سے ازلی عداوت ہے۔ حضور اقدس سید کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

(یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان) (بخاری، مسلم، ابوداؤد و نسائی)

فرمان نبوی کے بعد کسی شہادت کی ضرورت نہیں کہ وہابیہ کی فطرت کیسی ہے۔

(16) عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا: ''حب جاہ وحب مال اور طمع نفسانی وحرص حیوانی جہاں دوسرے مسلمانوں میں سرایت کیے ہوئے تھی، اسی طرح، بلکہ کچھ زیادہ ان اصحاب میں بھی گھسی ہوئی تھی جو پیشوا اور مقتدا سمجھے جاتے تھے۔ آٹھ آنے پیسوں پر جس مضمون کا چاہو، ان سے وعظ کہلا لو، اور پچیس ٹکوں پر جس فتویٰ اور جس مسئلہ پر چاہو، دستخط کرا لو، اور منشا کے موافق لکھوالو''۔ (تذکرۃ الرشید: ص10 - بلالی سٹیم ساڈھورہ)

عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنے مولویوں کی یہی حالت دیکھی، اور اس نے حقیقت اگل دی۔ علمائے اہل سنت وجماعت اس الزام سے بری ہیں۔ تاریخی شواہد اہم ثبوت ہیں۔

انگریزوں کے بعد کانگریس کی چاپلوسی

صدر دیوبندی جمعیۃ العلما اسعد مدنی بن حسین احمد ٹانڈوی نے ایک خطاب میں کہا:

''حضرت شیخ الہند (محمود الحسن) نے کہا کہ یہ نوجوان بیرسٹر موہن داس گاندھی جو پڑھ کر آیا اور افریقہ سے نکالا گیا، وہ بنیا ہے، اور بنیے کا ہندو سماج میں کوئی مقام اور عزت نہیں۔ اگر اس کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ لیڈر بنادو، اور آپ لوگ پسند کرو تو کچھ نہ کچھ احساس احسان اس کے ذہن میں رہے گا۔ چناں چہ حضرت کے نام پیش کرنے پر گاندھی کا نام طے ہوا، اور ان کو لیڈر شپ کے لیے کہہ دیا''۔

(خطبات مدنی: مرتبہ: محمد ادریس: ص480- کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

ہندوؤں کو لیڈر شپ دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ آزادی سے قبل ہی بے شمار مقامات پر ہندوؤں نے مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی۔ گائے کی قربانی پر پابندی لگانے کی کوشش ہوئی۔ بے شمار مسجدیں شہید کی گئیں۔ تحریک شدھی کے ذریعہ مسلمانوں کو ہندو بنانے کی کوشش کی گئی، اور آج بھارت میں نفرت وتعصب کا جو ماحول ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

بابری مسجد کی طرح نہ جانے کتنی مساجد شہید کی گئیں۔ بھارت کی تمام ریاستوں میں ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اب تک لاکھوں مسلمان فرقہ وارانہ فساد میں مارے گئے۔ مسلمانوں کی عزت وناموس کی نیلامی ہوئی۔ اگر اسی وقت مسلمان تن تنہا آزادی کی جنگ لڑتے اور کامیاب وکامراں ہوتے تو آج ہند میں مسلمانوں کا یہ حال نہ ہوتا۔

مسلمانوں کو اگر مستقل حکومت نہ بھی ملتی تو حکومت میں مضبوط حصہ داری ملتی اور ملک بھی تقسیم نہیں ہوتا، نیز ملک میں مسلمانوں کی یہ حالت نہیں ہوتی جو آج دیکھنے کو مل رہی ہے۔

انگریزوں کا خیال تھا کہ بھارت کی تمام اقوام کو ان کے سیاسی حقوق حاصل ہوں۔ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ایکٹ:1909 میں مل چکا تھا، اسی طرح دلتوں کو بھی جداگانہ انتخاب کا حق ملا تھا۔ پونہ پیکٹ :1932 کے سبب دلتوں کا یہ حق ریزرویشن میں بدل گیا کہ اسمبلی وپارلیامنٹ کے انتخاب میں دلتوں کو مخصوص سیٹ دی جائے گی۔

ملک کی تقسیم کا اصل سبب مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی تھی۔ برہمنوں نے آزادی

کے بعد مسلمانوں کو محض غلاموں کی طرح رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔مسلمانوں نے بار بار اپنے حقوق کے لیے کانگریس سے جواب کا مطالبہ کیا،لیکن برہمنوں نے مسلمانوں کے لیے ناانصافی کی راہ متعین کردی تھی۔کانگریس نے قوم مسلم کو ان کے سیاسی حقوق سے متعلق اطمینان بخش جواب نہیں دیا۔دیابنہ کانگریس کی تائید میں لگے رہے،لہٰذا ہنود بھی جری ہوگئے تھے۔

محمودالحسن عثمانی دیوبندی (1268-1339-1851-1920) نے اپنے ہم خیالوں اور شاگردوں کی مدد سے 09:نومبر 1919 کو دیوبندی جمعیۃ العلما کی تشکیل کی، اور دیابنہ اور وہابیہ تن من دھن کے ساتھ کانگریس کی چاپلوسی میں مبتلا ہوگئے۔آج بھی دیوبندی جمعیۃ العلما بھارت کے برہمنوں اورآرایس ایس کی تائید میں مصروف ہے۔

دراصل یہ لوگ ارباب قوت وحکومت کی چاپلوسی کے عادی ہیں،تاکہ ان کے ذاتی مفادات کا حصول ہوسکے۔آزادی کے بعد دیوبندی جمعیۃ العلما نے مسلمانوں کو کانگریس کے سپرد کردیا۔کانگریس مسلمانوں پر مسلسل ظلم وستم کرتی رہی۔اگرآزادی کے وقت مسلمان تنہا آزادی کی جنگ لڑتے اور کامیاب ہوتے تو آج بھارت میں مسلمانوں کا یہ حال نہ ہوتا، بلکہ امید قوی تھی کہ مسلمانوں کو حکومت میں وسیع اور مضبوط حصہ ملتا،لیکن دیوبندیوں اور وہابیوں نے ہمیشہ کانگریس کی حمایت کی اور مسلم لیگ مسلمانوں کے حقوق کے لیے لڑتی رہی۔

دیابنہ اور وہابیہ کے سبب مسلمان دوحصوں میں تقسیم ہوچکے تھے۔اس کمزوری اور تفریق کو دیکھ کر قوم مسلم کو آزادی کے بعد ملنے والے حقوق کی نشان دہی کانگریس نے نہیں کی۔

انگریزوں نے بھارتیوں کو ہندومسلمان میں تقسیم کردیا تھا۔دیوبندیوں کے سبب مسلمان سیاسی سطح پر کانگریسی اور مسلم لیگی دوگروپ میں تقسیم ہوگئے۔برہمنوں کی کاسہ لیسی کرنے والے مسلمان کانگریسی ہوئے اور مسلمانوں کے حقوق کی آواز بلند کرنے والے مسلم لیگ سے منسلک ہوگئے۔تقسیم ہند کو کانگریس نے قبول کیا۔مسلم لیگ نے محض مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے حصول کے واسطے تقسم کا مطالبہ کیا تھا۔یہ مطالبہ محض ایک دھمکی تھی۔

نہرو رپورٹ:1928اور سائمن کمیشن:1927 کی تفصیل پڑھی جائے۔کانگریس اور ہندومہا سبھا کی سازشیں اجاگر ہوجائیں گی۔انگریزی حکومت کے زور پر بھارت میں جمہوری حکومت بنائی گئی ہے۔سائمن کمیشن:1927نے آزادی کے بعد ملک میں جمہوری حکومت کے قیام کی سفارش کی تھی۔اس کے بعدلندن میں 1930 سے 1932 تک تین بار گول میز کانفرنس کا انعقاد ہوا۔گول میز کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ انڈیا کی سیاسی جماعتوں اور یہاں کی مختلف قوموں کے اتفاق رائے سے ایک حکومتی دستور ترتیب دیا جائے۔

اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ:1935 کی تشکیل ہوئی۔آزاد بھارت کے دستور میں ایکٹ:1935 کا اکثر حصہ شامل ہے۔ملک ہند کی جمہوریت انگریزوں کی حسن تخیل کا نتیجہ ہے،ورنہ قوم ہنود ابراہیم لودھی(1480-1526) کے عہد سے انڈیا کو ہندو راشٹر کے بنانے کی سازش کررہے تھے۔چتوڑ کے راجپوت راجہ رانا سنگا نے کابل کے بادشاہ ظہیرالدین بابر(1483-1530) کو بادشاہ ہند ابراہیم خاں لودھی پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی،تاکہ وہ انڈیا کو ہندو راشٹر بنا سکے۔:21اپریل1526 کو بابر اور لودھی کی افواج کا پانی پت میں مقابلہ ہوا۔اسی جنگ میں ابراہیم لودھی کی موت ہوگئی۔

رانا سنگا نے کہا تھا کہ انڈیا کا ہر راجپوت بچہ بابر کے ساتھ ہوگا۔رانا سنگا نے سمجھا تھا کہ بابر مال غنیمت لے کر واپس چلا جائے گا،لیکن وہ انڈیا میں مغلیہ سلطنت قائم کر دیا۔اس کے بعد رانا سنگا مایوس ہوکر بابر سے مقابلہ کے لیے آمادہ ہوا۔اس نے تمام راجپوت راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور فوج لے کر آیا۔آگرہ کے پاس بابر اور رانا سنگا کی فوج کے درمیان13 :فروری 1527 کو خوفناک جنگ ہوئی۔رانا سنگا شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔بابر کو فتح نصیب ہوئی،اور انڈیا میں مغلیہ سلطنت مستحکم ہوگئی۔

سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کے لیے برہمن وراجپوت اور مراٹھا وسکھ کوشش کرتے رہے ، یہاں تک کہ انڈیا میں انگریزوں نے قدم جمالیا۔جنگ غدر:1857 میں بھی بہت سے

برہمن وراجپوت، مراٹھاوسکھ نے انگریزوں کی مدد کی تھی، پھر ملک میں انگریزی حکومت قائم ہوگئی۔مغل سلاطین افغانستان کے باشندے تھے۔اکھنڈ بھارت میں افغانستان بھی شامل ہے ،لہٰذا مغل سلاطین بھی بھارت ہی کے لوگ تھے۔وہ انگریزوں کی طرح باہر کے نہیں تھے،اسی لیے کبھی سلطنت مغلیہ سے آزادی کی تحریک نہیں چلائی گئی،جب کہ انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کے لیے 1857 سے 1947 تک مسلسل مشترکہ کوشش ہوتی رہی۔

تقسیم ہند کا اصلی سبب کیا ہے؟

بھارت کے مسلمانوں کے مطالبہ پر ملک کی تقسیم ہرگز نہیں ہوئی۔دراصل انگریزی حکومت کے عہد میں 02:ستمبر 1946 کو کانگریس اور مسلم لیگ نے مشترکہ حکومت تشکیل دی۔کانگریس ومسلم لیگ کا آپس میں نباہ نہ ہوسکا۔تب کانگریس نے ملک کی تقسیم کا نظریہ قبول کرلیااور برطانوی وائسرائے کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کی۔

گاندھی کا نظریہ ہمیشہ تقسیم کے خلاف تھا۔نہرواور پٹیل کی رضامندی کے بعد گاندھی کوبھی راضی ہونا پڑا۔مسلم لیگ نے گرچہ تقسیم کا مطالبہ کیا تھا،لیکن مسلم لیگ کے کہنے پر ملک تقسیم نہیں ہوا ہے۔کانگریس کی رضامندی کے بعد تقسیم کی کاروائی شروع ہوئی۔

بھارت کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دے کر فتح یاب کیا تھا،کیوں کہ اس وقت جداگانہ انتخاب کا قانون تھا۔مسلم علاقوں میں مسلم پارٹی ہی کے نمائندے کوالیکشن میں امیدوار بنایا جاسکتا تھا۔1946 کے الیکشن میں مرکزی اسمبلی (موجودہ عہد کا پارلیامنٹ) کے الیکشن میں ملک بھر سے مسلمانوں کے لیے 30:سیٹ ریزروتھی۔مسلم لیگ نے مکمل 30:سیٹ جیت لی۔ملک بھر کی صوبائی اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لیے 495:سیٹ ریزروتھی۔مسلم لیگ نے 434:سیٹ پر فتح حاصل کی۔باقی سیٹوں پر دیگر مسلم پارٹیوں نے جیت حاصل کی۔

بھارتی مسلمانوں نے مسلم لیگ کو اپنی ہمدرد پارٹی سمجھ کر جیت دلائی تھی۔اس کے بعد کانگریس ومسلم لیگ کی مشترکہ عبوری حکومت 02:ستمبر 1946 کو تشکیل پائی۔

مشترکہ عبوری حکومت میں دونوں پارٹی اپنی بالادستی کی خواہش مند رہتی۔ مسلم لیگ کے پاس بھی قابل اور دانشور لیڈران تھے۔ کانگریس کو اپنی بالادستی اور ترجیحی کیفیت حاصل کرنے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ انجام کار کانگریس نے تقسیم کا نظریہ قبول کرلیا اور موجودہ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کو اپنی رضامندی سے مطلع کیا۔ 03:جون 1947 کو تقسیم ہند کا اعلان کردیا گیا۔ تقسیم کے وقت بھارت اور پاکستان دونوں نے اپنی اقلیتوں کو اپنے یہاں رہنے کی ترغیب دی۔ انہیں دیگر اقوام کے مساوی حقوق دینے کا وعدہ کیا۔

دونوں ملکوں میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے دہلی میں 08:اپریل 1950 کو دہلی میں ''نہرولیاقت پیکٹ'' ہوا۔ بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو (1889-1964) اور پاکستانی وزیراعظم لیاقت علی خاں (1895-1951) کے دستخط ہوئے۔ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے دونوں ملکوں میں اصول وضوابط بنائے گئے۔

اگر تمام مسلمانوں کو پاکستان جانے کی بات ہوتی تو پاکستان کو مختصر سا حصہ نہیں ملتا، بلکہ آبادی کے تناسب سے زمینی حصوں کی تقسیم ہوتی۔ اگر تقسیم کے وقت ملک میں تیس فی صد مسلمان اور ستر فی صد ہندو مان لیے جائیں تو زمینی حصہ کا تیس فی صد پاکستان کو دیا جاتا۔ کانگریس نے ملک کی تقسیم کی تھی، تاکہ آزادی کے ساتھ ملک پر حکومت کر سکے۔

اگر عام مسلمانوں کے مطالبے پر تقسیم کا معاملہ درپیش ہوتا، تب بھارت کے عام مسلمانوں کو تقسیم کے وقت ہی کہا جاتا کہ آپ کا مطلوبہ وطن آپ کو دے دیا گیا۔ آپ اپنے وطن چلے جائیں۔ چوں کہ یہ تقسیم سیاسی پارٹیوں کے باہمی اختلاف کے سبب سے ہوا تھا، اسی لیے پاکستان نے بھی اپنے اقلیتی طبقات یعنی ہندو، بودھ، سکھ، جین، عیسائی وغیرہ کو پاکستان سے جانے کی بات نہیں کہی۔ نہ بھارت نے اپنی اقلیتی اقوام مسلم، سکھ، بودھ، جین، عیسائی وغیرہ کو بھارت چھوڑنے کہا۔

تقسیم کا مطلب صرف یہ تھا کہ متحدہ انڈیا کی دونوں فاتح پارٹیاں یعنی کانگریس اور

مسلم لیگ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرلیں اور اپنے اپنے علاقوں میں امن وسکون کے ساتھ اپنی حکمرانی قائم کریں۔آج پاکستان میں نہ مسلم لیگ کی حکومت ہے،نہ بھارت میں کانگریس کی حکومت۔دونوں پارٹیاں حکومت سے بے دخل ہو چکی ہیں۔

تقسیم کے وقت ہی دونوں ملکوں نے اعلان کیا تھا کہ دونوں ملک سیکولر ہوں گے۔کسی مذہب،قوم،نسل وغیرہ کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔بھارت میں جب بی جے پی برسر اقتدار آتی ہے،تب بھارت کو"مسلم مکت بھارت" بنانے کا چرچا ہونے لگتا ہے۔بھاجپا کو چاہئے کہ وہ کانگریس سے پوچھے کہ اس نے ملک کو تقسیم کیوں کیا؟تقسیم کے وقت مسلمانوں کو پاکستان کیوں نہیں بھیجا؟مسلم عوام سے سوال کرنا یا ملک کے مسلمانوں کو پریشان کرنا ہر اعتبار سے غلط ہے۔حکومت آتی جاتی رہتی ہے۔کب کون ہار جائے؟کچھ پتہ نہیں۔الحاصل نہ عام مسلمانوں کے مطالبے پر ملک تقسیم ہوا،نہ ہی مسلم لیگ کے مطالبے پر۔ملک کی تقسیم کانگریس کی رضامندی پر ہوئی تھی۔سوالات کانگریس سے کیے جائیں۔

علمائے اہل سنت اور تحریک آزادی

جنگ غدر 10:مئی 1857 سے یکم نومبر 1858 تک،ایک سال پانچ ماہ بائیس دن تک جاری رہی۔19:دسمبر 1857 کو دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔اس کے بعد لکھنو،کان پور،جھانسی ودیگر علاقوں میں یہ جنگ جاری رہی۔غداروں کے سبب ناکامی ہوئی۔

جنگ آزادی کا آغاز میرٹھ سے ہوا۔انگریزوں کی طرف سے دیسی سپاہیوں کو جو کارتوس دیا جاتا تھا،اس کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ اس میں گائے اور سور کی چربی ہے،لہٰذا ملکی سپاہیوں نے اس کے استعمال سے انکار کر دیا۔09:مئی 1857 کو میرٹھ میں ایک رجمنٹ کے سپاہیوں کو دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔دیسی سپاہیوں نے انگریز افسروں کو ہلاک کر کے ان سپاہیوں کو آزاد کرالیا اور میرٹھ سے دہلی کی طرف بڑھنے لگے۔

جب میرٹھ کے سپاہی دہلی پہنچے تو دہلی ومیرٹھ کے سپاہیوں نے مغل تاجدار بہادر شاہ

ظفر کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔اس اعلان کے بعد بغاوت کی آگ دور دور تک پھیل گئی۔

علمائے اہل سنت ابتدائے امر سے انڈیا کوانگریزوں کے جال سے آزاد کرانے کی کوشش میں تھے۔جنگ غدر:1857 سے قبل ہی علمائے اہل سنت بیدار ہو چکے تھے،اورنجی کوشش شروع کر چکے تھے۔انگریزوں نے مسلمانوں سے صرف حکومت ہی نہیں چھینا، بلکہ وہ بے شمار مسلمانوں کے ایمان کوتباہ وبرباد کرنے میں بھی بہت حد تک کامیاب رہے۔

جوایمان دارلوگ بچے،وہ علمائے اہل سنت کی سعی پیہم سے بچ سکے۔جن کی تقدیر میں گمرہی تھی،وہ لوگ گمراہ ہوئے۔اللہ تعالیٰ کی مرضی،جو چاہے،سوکرے۔ہمیں مذہب حق کی نعمت گراں بہا عطا فرمایا،اس پر رب تعالیٰ کی حمد بے کراں اور شکر فراواں۔حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی محبت صادقہ عطا ہوئی جونجات کا پروانہ ہے،پس اللہ کی حمد وثنااور شکر کثیر۔

جامع مسجد میں جہاد کا فتویٰ

(1)علامہ عبد الحکیم شرف قادری نے رقم فرمایا:''بغاوت وسط مئی ۱۸۵۷ء میں شروع ہوئی۔جوں ہی اس کی اطلاع ملی،علامہ اہل خانہ کوالور چھوڑ کر دہلی آ گئے،اور سرگرمی سے بغاوت کی رہنمائی اور حکومت کے دستور العمل کی ترتیب شروع کر دی۔جولائی میں جنرل بخت خاں کے دہلی آنے پرفتوائے جہاد مرتب کر کے علما کے دستخط کرائے۔

اسی درمیان راجہ الور بنے سنگھ کی خبر ارتحال پرالور چلے گئے۔تقریباًایک ماہ میں واپس دہلی آ گئے،پھر ۱۵:یوم دہلی میں قیام کر کے الور آ گئے،اور اپنے اہل وعیال کو لے کر اوائل ستمبر میں دہلی آ گئے۔وسط ستمبر ۱۸۵۷ء میں دہلی پرانگریزوں کامکمل قبضہ ہوگیا''۔

(تتمہ:باغی ہندوستان:ص371-مکتبہ قادریہ لاہور)

(2)اسماعیل پانی پتی نے لکھا:''ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علما شامل تھے جوعقیدۂ حضرت سید احمداور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے،اور جنہوں نے شاہ اسماعیل کے رد میں

بہت سی کتابیں لکھی ہیں، اوراپنے شاگردوں کولکھنے کی وصیت کی ہے''۔

(حاشیہ: مقالات سرسید: حصہ شانزدہم: ص352)

(3) سیدمہدی حسین نے لکھا: ''اگرجیون لال کے بیان پراعتماد کیا جاسکتا ہے تو مولوی فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے''۔(بہادرشاہ ظفراینڈ دی وارآف 1857ان دہلی: حصہ دوم: ص391- بحوالہ: امتیازحق: ص50 - مکتبہ قادریہ لاہور)

(4) رئیس احمدجعفری نے لکھا: ''مذکورہ سطور میں ہم نے غدر کے جن ہیروؤں کا ذکر کیا ہے، ان میں صرف بخت خاں اورمولانا فضل حق خیرآبادی دوایسی شخصیتیں ہیں جنہوں نے دہلی کے محاربات غدر میں مرکزنشیں ہوکرحصہ لیا ہے''۔

(بہادرشاہ ظفراوران کا عہد: ص833 - کتاب منزل لاہور)

(5) جنگ غدر کے وقت مغل بادشاہ بہادرشاہ ظفرنے ایک کنگ کونسل بنائی تھی ،علامہ فضل حق خیرآبادی اس کے ایک اہم رکن تھے۔ڈاکٹرسیدمعین الحق نے لکھا:

''سیدمبارک شاہ (جودوران غدر دہلی کا کوتوال رہاتھا) کا بیان ہے کہ شاہ نے جنرل بخت خاں، مولوی سرفرازعلی اور مولوی فضل حق پرمشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی تھی''۔

(The great revolution of 1857 p.182/183)

(6) عبدالشاہد خاں شروانی (م1984) نے لکھا: ''اس روزنامچہ سے علامہ کی باخبری اور انقلابی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔موجودہ صورت حالات کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔بادشاہ سراسیمہ تھے۔شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اورتخت شاہی کی تمناؤں نے باہمی رقابت کا میدان گرم کررکھا تھا۔عمائدشہر میں دوگروہ تھے۔ایک بادشاہ کا ہمنوا، اور دوسرا حکومت کمپنی کا بہی خواہ۔فوجوں میں طمع اورلالچ نے گھر کرلیا تھا۔

دوایک جماعتیں مقصداعلیٰ کوسامنے رکھے ہوئے تھیں۔ایک جماعت مجاہدین کی تھی ، دوسری روہیلوں کی۔یہ جنرل بخت خاں کی سرداری میں دادشجاعت دے رہی تھی۔علامہ

سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی،استفتا پیش کیا۔

مفتی صدر الدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی،مولوی عبدالقادر،قاضی فیض اللہ دہلوی،مولانا فیض احمد بدایونی،ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی،سید مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے۔اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔

دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی۔جنرل بخت خاں کی اسکیموں میں مرزا مغل آڑے آتے تھے۔مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سے سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوادیا تھا۔کوئی شنوائی نہ ہوئی۔مرزا مغل کی وجہ سے فوج میں پھوٹ پڑ گئی‘‘۔

(باغی ہندوستان:ص141-142-الممتاز پبلی کیشنز لاہور)

(7)جب بخت خاں دہلی آیا تو بہادر شاہ ظفر نے اسے دہلی فوج کا سپہ سالار اور جنرل کا خطاب دیا۔انگریزوں کا پٹھو مرزا الٰہی بخش بادشاہ کو اس کے خلاف ورغلایا،لیکن غدار مرزا کامیاب نہ ہوسکا۔اخیر کار بادشاہ سے سفارش کر کے مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ کے بیٹے مرزا مغل کو بھی فوج کے اعلیٰ اختیارات دلانے میں کامیاب ہوگیا۔اب فوج دو قیادت کے درمیان پھنس کر رہ گئی،اور جیتی ہوئی جنگ اب شکست میں بدلنے لگی۔

مرزا مغل مرد میداں نہ تھا کہ فوج کو صحیح ڈھنگ سے لڑا سکے۔جنرل بخت خاں نے بادشاہ سے گزارش کی کہ آپ لکھنو چلیں۔وہاں کی جنگ جیت کر پھر دہلی آئیں گے۔بادشاہ اس کے لیے راضی نہ ہوا،بلکہ مرزا الٰہی بخش کی دخل اندازی نے بادشاہ کی عقل پر پردہ ڈال دیا۔

جنرل بخت خاں اپنی دس ہزار فوج لے کر رات کو نکل گیا۔مسلمانوں کو اکثر غداروں کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا ہے۔عشرت رحمانی نے لکھا:’’بخت خاں دہلی سے روانہ ہو کر اودھ ہوتا ہوا کسی ایسے مقام پر چلا گیا جہاں سے اس کا نشان بھی کسی کو پھر نہ ملا۔

گمان غالب ہے کہ دہلی کی بے وقت اور غیر متوقع شکست اور انگریزی کی نامبارک

کامرانی نے اس کا دل توڑ دیا اور مغل عظمت کی تباہی دیکھنے کی تاب نہ لا کر اس نے قبائلی آزاد علاقہ کی پہاڑیوں میں منہ چھپالیا۔اس کے بعد کسی نے نہ اس کا نام سنا اور نہ نشان پایا''۔

(خیال لاہور: سن ستاون نمبر:ص270-سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

(8) دہلی کی جنگ چار مہینہ تک جاری رہی۔11:مئی 1857 سے 19:ستمبر 1857 تک بھارتی فوجیوں نے انگریزوں کا مقابلہ کیا۔19:ستمبر کو انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوگئی۔بہادر شاہ کی گرفتاری ہوئی۔بھارت میں اسلامی سلطنت کا نام ونشان مٹ گیا۔

علامہ فضل حق خیرآبادی 24:ستمبر 1857 کورات کے وقت دہلی سے نکل گئے۔

عبدالشاہد خاں شروانی نے لکھا:''علامہ دہلی سے ۲۴:ستمبر کو روانہ ہو گئے۔اس طرح ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی،اور ۱۷۹۹ء کی جنگ میسور کی طرح ۱۸۵۷ء کی یہ جنگ آزادی بھی ہندوستانیوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح پر ختم ہوئی''۔

(باغی ہندوستان:ص142-143-الممتاز پبلی کیشنز لاہور)

(9) فتح دہلی اور سقوط سلطنت مغلیہ کے بعد مسلمانوں پر دہلی اور اطراف واکناف میں ظلم وستم کا وہ دردناک سلسلہ شروع کیا گیا جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

بے شمار مسلمانوں کو قتل وہلاک کیا گیا،پھانسی پر لٹکایا گیا۔جب یہ سلسلہ تھا تو جنگ غدر میں شریک ہونے والے علما کے خلاف سخت کاروائی کی گئی،مقدمات ہوئے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی،مفتی عنایت احمد کاکوروی،وغیرہم علمائے اہل سنت کالا پانی کی سزا پائے۔علمائے اسلام نے جزیرہ انڈمان کو دبستان علم وادب بنا ڈالا۔مفتی عنایت احمد نے علم الصیغہ اور تواریخ حبیب الٰہ اسی جزیرہ میں تصنیف فرمائی۔علامہ خیرآبادی نے الثورۃ الہندیہ اور قصیدہ دالیہ وقصیدہ ہمزیہ جزیرہ ہی میں تحریر فرمائے۔

ڈاکٹر مسعود احمد پاکستانی نے لکھا کہ علامہ فضل حق خیرآبادی کو 14:مارچ 1859 کو لکھنو کورٹ سے حبس دوام بعبور دریاء شور اور تمام جائیداد کی ضبطی کا حکم سنایا گیا۔بحری جہاز پر

سوار ہو کر 08: اکتوبر 1859 کو پورٹ بلیر پہنچے۔ نو ماہ انیس دن سیاسی قیدی رہ کر 12 : صفر المظفر 1278 مطابق 20: اگست 1861 کو واصل الی اللہ ہوئے۔ (جنگ آزادی میں علامہ فضل حق خیرآبادی کا کردار: ص 10-11 - نوری مشن مالیگاؤں مہاراشٹر)

(10) علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے رقم فرمایا: ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق نے حصہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنو میں بیگم حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ آخر میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی............انڈمان ونکوبار کے زمانہ قیام میں علامہ خیرآبادی سے دو چیزیں یادگار رہیں: الثورۃ الہندیہ اور قصائد فتنۃ الہند۔ یہ دونوں چیزیں تاریخی ہونے کے علاوہ ادب کا بھی شاہکار ہیں .... یہ رسالہ اور قصیدے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات کے نہایت قابل قدر مآخذ ہیں''۔ (تتمہ: باغی ہندوستان: ص 388 - مکتبہ قادریہ لاہور)

(11) حسین احمد ٹانڈوی نے لکھا: ''مولانا نے اپنے اوپر جتنے الزام لیے تھے، ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے، جس مخبر نے فتویٰ کی خبر دی تھی، اس کے بیان کی تصدیق وتوثیق کی۔ فرمایا کہ: ''پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا، اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی۔ اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا۔ وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے، اور آج اس وقت بھی میری رائے وہی ہے''۔

جج بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رخ اور علامہ کی بارعب وپروقار شکل دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا۔ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں، دوسرے تھے۔ گواہ حسن صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متأثر ہو چکا تھا، مگر علامہ کی شان استقلال کے قربان جائیے! خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے: ''وہ فتویٰ صحیح ہے۔ میرا لکھا ہوا ہے، اور آج اس وقت بھی میری رائے وہی ہے''۔

(نقش حیات: ص 462 - دارالاشاعت کراچی)

(باغی ہندوستان: ص 151-152 - مکتبہ قادریہ لاہور)

(12) علامہ عبدالحکیم شرف قادری لاہوری قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:

''علامہ کو ۳۰: جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کیا گیا، اور لکھنو میں مقدمہ چلایا گیا۔ گرفتاری سے تین ہفتے کے اندر کیپٹن ایف اے وی تھربرن کی عدالت میں ۲۱: فروری ۱۸۵۹ء کو مقدمہ شروع ہوا۔ استغاثہ اور صفائی کے پانچ پانچ گواہوں کے بیانات کے بعد ۲۸: فروری ۱۸۵۹ء کپتان تھربرن نے فرد جرم مرتب کر کے مقدمہ جوڈیشیل کمشنر اودھ کی عدالت میں منتقل کر دیا۔ جوڈیشیل کمشنر مسٹر جارج کیمبل اور میجر بارو قائم مقام کمشنر خیر آباد ڈویژن کی مشترکہ عدالت سے ۴: مارچ ۱۸۵۹ء کو قتل پر برانگیخت اور بغاوت کے الزام میں بطور شاہی قیدی حین حیات حبس بعبور دریائے شور اور تمام جائیداد کی ضبطی کی سزا سنادی گئی''۔

(تتمہ: باغی ہندوستان: ص 361 - مکتبہ قادریہ لاہور)

سلطنت مغلیہ کا خاتمہ اور مسلمانان ہند

سقوط دہلی کے بعد گرچہ بظاہر مسلمانان ہند کمزور ہو گئے، لیکن آزادی کی تمنا ان کے دلوں میں پہلے سے کہیں زیادہ قوی ہوگئی۔ دیوبندی جمعیۃ العلما کی غلط سیاست کے سبب بھارت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ علمائے اہل سنت نے بروقت قوم کی صحیح رہنمائی کی اور سنی علما و مشائخ نے آل انڈیا سنی کانفرنس (مرادآباد) کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ کرتے رہے، جس کے اثرات ملک بھر میں محسوس کیے جاتے تھے۔

ملک العلما حضرت علامہ سید محمد ظفر الدین محدث بہاری (1880-1962) نے تحریر فرمایا: ''کچھ غیر مسلموں نے گورنمنٹی کاغذات سے معلوم کیا کہ انگریز نے ہندوستان کو لڑ کر اپنے قبضہ میں نہیں لیا، بلکہ بڑی سازشوں سے انتظاماً لیا اور یہ ظاہر کیا کہ چوں کہ مسلمانوں میں حکومت کی صلاحیت نہیں ہے، اسی لیے ہم اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور ان کو اپنے اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹی میں تعلیم دے کر اس قابل بناتے ہیں کہ اپنے ملک پر حکومت

کرسکیں، اس وقت حکومت ان کے سپرد کردیں گے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت: جلد اول: ص465- مکتبہ نبویہ لاہور)

انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کا پس منظر

ملک العلما قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: ''ان لوگوں نے بی اے، ایم اے، وکیل، بیرسٹر ہونے کے بعد یہ خیال کیا کہ اب ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ ہندوستان کی حکومت سنبھال سکیں گے تو ان لوگوں نے اس کا مطالبہ شروع کیا اور اس کے لیے ایک انجمن بنام ''انڈین نیشنل کانگریس'' قائم کی، اور اس کا سال بسال سالانہ جلسہ مختلف شہروں میں کرنے لگے۔ جب تک ان کی آواز کمزور رہی، گورنمنٹ نے قابل توجہ نہ جانا، لیکن روز بروز اس جماعت کو مقبولیت حاصل ہوتی رہی اور شرکا اور ممبروں کی تعداد میں ترقی ہونے لگی۔

جب قابل قدر تعداد کانگریس میں شریک ہوگئی تو گورنمنٹ کو ان کے رزولیوشن اور عرض داشتوں کے جواب کی طرف توجہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انگریزوں نے یہ جواب دینا مناسب سمجھا کہ ہم نے تم سے حکومت نہیں لی ہے جو تم کو دیں۔ ہم نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے لی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ شریک نہیں، وہ حکومت کا مطالبہ نہیں کرتے، ہم تم کو کس طرح دیں؟ تب ہنود وغیرہ کو مسلمانوں کو کانگریس میں شریک کرنے کی ضرورت پڑی اور وہ اس کی کوشش کرنے لگے کہ جس طرح ہو، مسلمانوں کو کانگریس میں شریک کریں اور اپنا ہم خیال بنائیں''۔ (حیات اعلیٰ حضرت: جلد اول: ص465- مکتبہ نبویہ لاہور)

منقولہ بالا عبارت سے واضح ہوگیا کہ کانگریس ہندوؤں کی ایک تنظیم تھی، اور وہ حکومت پر قابض ہونے کی کوشش میں لگی رہی۔ مسلمانوں کو اپنا شریک کار بنانا ان کی سیاسی مجبوری تھی، اور اس میں مسلمانوں کا سراسر نقصان تھا۔ اگر تمام مسلمان متحدہ طور پر حصول مملکت کی کوشش کرتے تو ضرور حکومت انہیں کو واپس دی جاتی۔

اس وقت لوگوں نے اس جانب توجہ دی، لیکن دیوبندیوں کی حماقت رنگ لائی اور

مسلمان نصاریٰ کی غلامی سے آزاد ہوکر ہندؤوں کی غلامی میں جا پھنسے۔ابوالکلام آزاد کانگریس کا بڑا لیڈر تھا، بلکہ نہرو اور ابوالکلام یہی دونوں کانگریس کے دست و بازو تھے۔

آزادی ہند کے بعد اگر جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہوا تو ابوالکلام آزاد کو صدر جمہوریہ ہونا تھا، یا کم از کم وزارت داخلہ کا مستحق ہوتا،لیکن اسے وزیر تعلیم بنایا گیا۔آزادی کے بعد گیارہ سال تک زندہ رہ کر 1958 میں آزاد کی موت ہوئی ،اسے وزارت تعلیم کے عہدے سے ترقی نہ مل سکی۔''انڈیا ونس فریڈم'' میں آزاد نے بھی احوال ہنود کو لکھا ہے۔

سرسید کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

ملک العلما فاضل بہاری علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا کہ سرسید مسلمانوں کے لیے کانگریس کی شرکت کو زہر قاتل باور کرتا اور سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے روکتا تھا۔ اس کا ایک حد تک اثر ہوا،اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کی رفتار کمزور ہوگئی،تاہم مسٹر حسن امام اور مسٹر مظہر الحق جیسے تعلیم یافتگان ودانشوران اس میں شریک ہوگئے۔

(حیات اعلیٰ حضرت: جلد اول:ص466-مکتبہ نبویہ لاہور)

ملک العلما قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:''مذکورہ حالات کے پیش نظر سرسید نے ''محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس'' نامی ایک جلسہ کی بنیاد ڈالی،اور اس کا جلسہ بھی سال بسال سالانہ ایک نہ ایک شہر میں دسمبر کی اخیر تاریخوں،جن میں کانگریس کا جلسہ ہوا کرتا، انہیں تاریخوں میں کرنے لگے۔ہاں،اس کا ضرور لحاظ کیا کرتے تھے،کانگریس کا جلسہ اگر ڈھاکہ میں جلسہ ہوتو کانفرنس کا لاہور یا بمبئی میں ہوتا کہ سب مسلمان کانفرنس میں شریک ہوں اور کانگریسی شرکت سے احتراز کریں۔سرسید ہندؤوں کی ذہنیت سے خوب اچھی طرح واقف تھے،اور زمانہ کا رنگ بھی پہچاننے میں کمال تھا۔سمجھے کہ تیس ہزار انگریز برسراقتدار ہیں تو ہندو اور مسلمان دونوں کو پار نہیں لگنے دیتے، جب تیس کروڑ ہندو برسراقتدار ہوجائیں گے تو دس کروڑ مسلمان ان سے کیسے مقابلہ کرسکیں گے۔

دوسری بات وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ انگریزوں کے نکالنے کی جو دلیل پیش کرتے ہیں، یعنی یہ غیر ملکی ہیں، اس لیے ان کو ہندوستان میں رہنے کا اور ہندوستانیوں پر حکومت کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں سے مل کر اور مسلمانوں کو ملا کر ان کو نکالنا چاہتے ہیں اور اس میں ان کو کامیابی حاصل ہوگئی تو بعینہ اسی دلیل سے کل مسلمانوں کو نکالنے کے لیے اپنی قوم کو ابھاریں گے، اور ان کو نکال باہر کریں گے، نیز وہ سمجھتے تھے کہ سینکڑوں برس تک باہر سے آنے والے مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے اور ہنود کو زیر نگیں رکھا ہے۔

انگریزوں کے چلے جانے کے بعد حکومت جمہوری اصول پر قائم ہوگی۔ مسلمان ایک چوتھائی ہیں اور ہندو تین گنا زائد ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگا تو ووٹنگ کی نوبت آئے گی۔ تعداد ان کی زائد ہے، ووٹ انہیں کا زائد ہوگا، اور اسی کے مطابق قانون بنے گا تو یہ حکومت ہندوستانیوں کی نہ ہوگی، بلکہ ہندؤوں کی ہوگی تو اس کے معنی یہ ہیں: مسلمان اہل کتاب انگریزوں کی غلامی سے نکل کر بت پرست ہندؤوں کی غلامی میں آجائیں گے۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہندو صرف تعداد ہی میں زائد نہیں ہیں، بلکہ علم وفن میں بھی بڑھے ہوئے ہیں اور مالی حیثیت میں بھی مسلمانوں سے بالاتر ہیں اور ان کا بہت بڑا اثر حکومت میں ہوتا ہے، نیز وہ یہ جانتے تھے کہ انگریز بے دین ہیں، وہ مذہب عیسوی کے پیرو برائے نام ہی ہیں، خاص ان کو اس بارے میں غلو نہیں ہے، ان کو اپنی حکومت سے کام ہے۔

قوانین حکومت کی خلاف ورزی نہ ہونی چاہئے، رعایا کا مذہب کچھ بھی ہو، اس سے ان کو بحث نہیں، بلکہ سب کے مذہب کا استحفاظ ان کی حکومت کا سنگ بنیاد ہے، بخلاف ہنود کے کہ جس قدر ان کا مذہب باطل، خلاف عقل ونقل ہے، اس سے زیادہ وہ اس پر ثابت قدم اور اس کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں تو ہر قدم پر تصادم ممکن ہوگا۔

ایک گائے ہی کو لے لیجئے کہ ان کے نزدیک اس کے ہر عضو پر خدا جانے کتنے دیوتا ہیں۔ دوسری طرف یہ مسلمانوں کی روزانہ کی خوراک ہے، اور بقرعید میں قربانی کرنے میں

آسانی اور کفایت اور گوشت کی فراوانی ہوتی ہے،اور یہ قوم انگریزوں کی طرح وسیع القلب بھی نہیں کہ رواداری برت سکیں،خواہ مخواہ مسلمانوں سے نزاع وجدال ، بلکہ قتل وقتال کی نوبت آئے گی،اور مسلمانوں کا آرام اوران کی عافیت درکنار،زندگی تلخ ہوجائے گی،اس وجہ سے سرسید برابر مسلمانوں کو کانگریس کی شرکت سے منع کرتے رہے۔اس وجہ سے ان کی زندگی میں مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت کی رفتار بہت سست رہی''۔

(حیات اعلیٰ حضرت: جلداول:ص466-467-مکتبہ نبویہ لاہور)

علمائے اہل سنت نے جنگ آزادی: 1857 میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔علمائے اہل سنت نے دیکھا کہ بہت سے ہنود اور سکھوں نے علی الاعلان انگریزوں کی حمایت کی۔مسلمانوں میں بھی بہت سے غدار اور انگریزوں کے جاسوس نکلے۔اسی غداری اور ہندؤوں وسکھوں کے انگریزوں کے تعاون کے سبب مجاہدین غدر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا،اس لیے علمائے اہل سنت بہت محتاط قدم اٹھانے لگے،نیز انگریزوں نے قوم مسلم میں مذہبی فتنوں کو پروان چڑھا رکھا تھا۔علمائے کرام کی زیادہ توجہ ان فتنوں کے تدارک کی جانب تھی۔امام اہل سنت قدس سرہ العزیز اوران کے تلامذہ وخلفا سیاسی امور کی جانب بھی متوجہ ہوئے،اور دینی رہنمائی بھی کرتے رہے۔

مسلم لیگ کا قیام: سال 1906

ملک العلما قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا:''جب سرسید کا انتقال ہوگیا اور گورنمنٹ نے اس جواب کے علاوہ دوسرا طریقہ اپنایا کہ ''دہن سگ بہ لقمہ اندوختہ بہ'' جس نے کانگریس میں زوروشور دکھایا،اس کو کوئی معقول جگہ دے کر گورنمنٹ نے اپنالیا۔

مسلمانوں نے دیکھا کہ یہ تو اچھی پالیسی ہے۔جو سر سہلائے،وہی لقمہ تر کھائے،اور جو اپنی قوم کی خیرخواہی واطاعت کرے،وہ چولھے میں جائے،اس لیے انہوں نے بھی کروٹ بدلی،اوراس میں ایک تائید غیبی ہوگئی کہ نواب محسن الملک، وقار الملک،عزیز مرزا، یہ تینوں حیدرآباد میں رہتے تھے۔انہوں نے ریاست کی خیرخواہی میں بعض ایسی تجویزیں

پیش کی تھیں جو انگریزوں کے مفاد کے خلاف تھیں، اس لیے ان کے خلاف شکایت کی گئی، اور یہ لوگ حیدر آباد سے علیٰحدہ کر دیئے گئے۔

جب یہ لوگ ہندوستان میں اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے، یہاں کا یہ رنگ دیکھا۔ آخر سب لوگوں نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی، جس کا نام ''مسلم لیگ'' رکھا اور سرسید کی طرز پر اس کے بھی جلسے ہر سال ایک ایک شہر میں کر کے اپنے علیٰحدہ حقوق طلب کرنے لگے۔

چناں چہ ایک تجویز کے مطابق ۲۰۰: مسلمانوں کو ریلوے میں ملازمت ملی۔ پہلے پہلے تو اس انجمن سے ہنود کو قدرے خوشی ہوئی، مگر صدمہ اور اندوہ وغم زیادہ ہوا۔ خوشی تو اس بات کی ہوئی کہ مسلمان جمود اور اطاعت گورنمنٹ سے جس کا سبق سرسید نے پڑھایا تھا، ایک قدم آگے ہے، اور رضا بالقضا کے مرتبہ سے اتر کر دعا وطلب کے زینہ پر آئے۔ اب آگے اور بڑھیں گے، بڑھتے بڑھتے ہمارے معیار پر اتر آئیں گے۔

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

لیکن ساتھ ساتھ رنج وغم اس امر کا تھا کہ اگر یہ لوگ پہلے ہی کی طرح سکوت و جمود کے عالم میں رہتے تو ایک نہ ایک دن ان کو اپنے میں شامل کر دیتے، لیکن جب انہوں نے اپنی انجمن علیٰحدہ بنالی اور گورنمنٹ سے مطالبات کرنے لگے تو اگر گورنمنٹ حکومت واپس کرے گی تو مسلمانوں کو دے گی، اس لیے کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت لی تھی۔

آخر اسی اندھیری میں کانگریسیوں کو حصول مقصد کی ایک جھلک نظر آئی کہ ایسی صورت کی جائے کہ جو مسلمان کانگریس میں شریک ہیں، دوسرے مسلمانوں کو شریک کرنے کی کوشش کریں''۔ (حیات اعلیٰ حضرت: جلد اول: ص468-469- مکتبہ نبویہ لاہور)

دیابنہ اور وہابیہ کی جمعیۃ العلما نے کانگریسیوں کی اس سازش کی تکمیل میں بھر پور تعاون کیا کہ لوگوں کو کانگریس کا وفادار بناتی رہی اور مسلم لیگ سے لوگوں کو جدا کرتی رہی۔ دیوبندی جمعیت آج تک کانگریس کی کاسہ لیسی میں مبتلا ہے۔ اگر خدانخواستہ لوک

سبھا الیکشن: 2024 میں بی جے پی جیت جاتی ہے تو دیو بندی جمعیت کے دونوں گروپ بی جے پی سے قربت بڑھالیں گے، کیوں کہ یہ لوگ چڑھتے سورج کو سلام کرتے ہیں۔

منقولہ بالا اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ تحریک آزادی کے عہد میں مسلمان اگر متحد ہو کر آزادی کی جداگانہ کوشش کرتے تو مسلمانوں کو حکومت دی جاتی، یا کم از کم حکومت میں مضبوط حصہ دیا جاتا۔ چوں کہ مسلمانوں سے حکومت لی گئی تھی، اس اعتبار سے وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کا عہدہ مسلمانوں کے لیے مختص کیا جاتا۔ نیابت کے عہدے قوم ہنود کو ملتے۔

پہلی جنگ آزادی کے وقت مسلم ہندو معاہدہ

پہلی جنگ آزادی 1857 کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ آزادی وطن کی ایک منظّم کوشش تھی جو بعض غداروں کے سبب ناکام ہوئی۔ اس میں بادشاہ دہلی وراجگان ونوابان ہند مسلم و ہندو رہنما اور عوام سب لوگ شریک تھے۔ فوجیوں کو بھی خبر کر دی گئی تھی۔

اس وقت مرہٹوں کو اچھی قوت حاصل تھی۔ پہلی جنگ آزادی میں مرہٹوں نے خوب جوش و خروش دکھلایا۔ مرہٹہ پیشوا نانا راؤ پیشوا (1824-1859) نے بادشاہ دہلی: بہادر شاہ ظفر (1775-1862) سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جنگ آزادی میں فتح یابی کے بعد مسلمانوں کو بادشاہت اور ہندوؤں کو وزارت ملے گی۔ اسی معاہدہ کے مطابق مسلم و ہندو سب لوگ شریک جنگ ہوئے۔ بعض غداروں کے سبب جیتی ہوئی جنگ شکست سے دوچار ہوئی۔

مؤرخ تاراچند نے لکھا: ’’میسور کے جڈیشیل کمشنر مسٹر ایچ بی ڈورو کے سامنے بیان دیتے ہوئے سیتارام باوا نے کہا: ’’نانا صاحب اور مان سنگھ نے دہلی کے بادشاہ سے خط و کتابت کی، اور یہ طے ہوا کہ بادشاہی مسلمانوں کو ملے اور دیوان گیری ہندوؤں کے حصے میں آئے۔ ان بیانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نانا صاحب کوشش کر رہے تھے کہ شہنشاہ کے ساتھ مل کر کام کریں۔ پٹنہ، الٰہ آباد، لکھنو، کانپور، فرخ آباد، بریلی وغیرہ کے حکمراں اپنے القاب کی تصدیق کے لیے دہلی پر نظریں جمائے ہوئے تھے، اور دہلی کی کوشش تھی کہ تمام طبقوں میں

تال میل پیدا کیا جائے۔

وہ ہندوستانی سپاہیوں کی رجمنٹ ہوں یا ہندوستانی راجہ،نواب اورامیر۔شہنشاہ نے فوجوں کو ہدایتیں جاری کیں اورشمالی ہندوستان کی کئی حصوں سے عرض داشتیں قبول کیں یعنی راجپوتانہ، مالوہ،صوبجات متوسط،شمال مغربی صوبجات اوراودھ اور بہار سے پٹیالہ اورگوالیار کے راجوں ،راجستھان کے راجوں ،کشمیر کے مہاراجہ گلاب سنگھ اوردوسرے ہندومسلم سرداروں کونجی خط بھی لکھے گئے۔کچھ نے اطاعت ظاہر کی،لیکن بہت سوں نے یاتو کوئی بہانہ بنادیا،یاراست عمل سے گریز کیا،اس لیے کہ ان کے خیال میں بغاوت کی کامیابی کے امکانات بہت کم تھے،اورناکامی کی صورت میں ان کی تباہی لازمی تھی‘‘۔(تاریخ تحریک آزادی ہند:جلد دوم:ص94-قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو:دہلی)

الحاصل اگرتمام مسلمان متحد ہوکرآزادی کی تحریک چلاتے تو نہ ملک تقسیم ہوتا،نہ بھارت کے مسلمانوں کو یہ برے دن دیکھنے کی نوبت آتی، بلکہ آزادی کے بعدحکومت میں مسلمانوں کومضبوط حصہ ملتا۔وہابیہ اوردیابنہ کی غلطیوں کاخمیازہ پورابرصغیر بھگت رہا ہے۔

جس سے آپ ایک باردھوکہ کھا چکے ہوں تو دوبارہ اسے آزمانے کی ضرورت نہیں۔ دوبارہ بھی دھوکہ دے تو آپ کوسنبھلنامشکل ہوگا۔حدیث مصطفوی منقوشہ ذیل ہے۔

(عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال:لا يلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ترجمہ:حضوراقدس سرورکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

مسلمان ایک سوراخ سے دوبارنہیں ڈسا جاتا۔

حدیث نبوی کامفہوم یہ ہے کہ مومن ایک شخص سے دوباردھوکہ کھانے کاموقع فراہم نہ کرے۔جب ایک باراس نے فریب بازی کردی ہےتو دوبارہ فریب بازی سےکون سی چیز مانع ہے؟اگرنقصان اٹھانے کاشوق ہوتو ضرورفریب کاروں کے پاس باربارجائیں۔

فرامین الٰہیہ وارشادات نبویہ میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔گرچہ ہم تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ نہ سکیں،لہٰذا بار بار تجربہ کرنے کی ضرورت نہیں۔بہت تجربے ہو چکے۔

آج کل بعض لوگ وہابیہ اور دیابنہ سے سیاسی اتحاد اور اشتراک عمل کے لیے بے چین نظر آتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ دیوبندیوں اور وہابیوں سے سیاسی اتحاد ہر سیاسی مرض کی دوا ہے،حالاں کہ ان فریب بازوں سے سیاسی اتحاد بجائے خود ایک سیاسی مرض ہے جو مہلک وقاتل ہے۔جب ان کو بار بار آزمایا جا چکا ہے تو اب ہمیں خود سنبھل جانا چاہئے۔

آزادی کے بعد انہیں لوگوں نے مسلمانوں کو کانگریس کا غلام بنا رکھا تھا،اور کانگریس اندرونی طور پر مسلمانوں کو کمزور کرتی رہی،یہاں تک کہ بھارتی مسلمان دلتوں اور آدی واسیوں سے بھی بری حالت میں پہنچ گئے،اور سچر کمیٹی رپورٹ:2006 کے ذریعہ کانگریس ہی نے اس حقیقت کو اجاگر بھی کیا،اور اب فرقہ پرست قوتیں بھارت میں مسلمانوں کو درجہ دوم کا شہری بنانے کے واسطے سرتوڑ کوشش کر رہی ہیں:اللہ رحم فرمائے:آمین

علامہ مشتاق احمد نظامی،علامہ مفتی بدرالدین احمد رضوی وعلامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہم الرحمۃ والرضوان نے(1)خون کے آنسو(2)سوانح اعلیٰ حضرت(3)شیشے کا گھر ودیگر کتب ورسائل میں وہابیوں اور دیوبندیوں کی انگریز نوازی کی تفصیل رقم فرما دی ہے۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کی اختراعی تاریخ

جنگ آزادی:1857 کے موقع پر فرقہ وہابیہ انگریزوں کے ساتھ تھا۔1947 میں بھارت آزاد ہو گیا اور انگریزی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔بیسویں صدی عیسوی کے عشرۂ دوم میں جب وہابیوں اور دیوبندیوں نے اندازہ کر لیا کہ اب انگریزی حکومت زیادہ دنوں تک چلنے والی نہیں ہے،تب یہ لوگ کانگریس کی تابعداری کرنے لگے۔اس سے قبل یہ لوگ انگریزوں کی حمایت کرتے تھے جس کے واقعات کتابوں میں مرقوم ومسطور تھے۔بعد میں یہ لوگ ان تاریخی واقعات کا انکار کرنے لگے اور نئی تاریخ گڑھنے لگے۔قدیم واقعات کی بے جا تاویل

کرنے لگے۔ان لوگوں نے اپنے باطل عقائد کی تائید وتقویت کے لیے بھی کتابیں گڑھی ہیں۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری دیوبندی نے جہاد شاملی سے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''بزرگان دارالعلوم دیوبند'' ہے۔اس میں یہ ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی گئی ہے کہ جہاد شاملی: 1857 میں قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی وغیرہما انگریزوں کے خلاف لڑے تھے، حالاں کہ یہ لوگ ہمیشہ انگریزوں کی طرف داری کرتے تھے۔

برصغیر میں جماعت وہابیہ کے امام اول اسماعیل دہلوی نے کہا تھا کہ انگریزوں سے جہاد کرنا شرعاً جائز نہیں۔دراصل جنگ آزادی: 1857 کے وقت بھی لوگوں کو معلوم تھا کہ فرقہ وہابیہ انگریزوں کی حمایت وتائید کرتا ہے،لہٰذا شاملی میں آزادی وطن کی خاطر جہاد کرنے والی ایک جماعت سے نانوتوی وگنگوہی کے قافلے کی جھڑپ ہوگئی۔اس میں فائرنگ بھی ہوئی۔ایک گولی ''ضامن'' نامی ایک شخص کو لگی جس سے اس کی موت ہوگئی۔

ادیب شہیر رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی دام ظلہ العالی (دہلی) نے اپنے مضمون: ''جنگ شاملی 1857: واقعات وحقائق'' میں حقائق ومکذوبات کو واضح فرمایا ہے۔

جنگ آزادی اور فرقہ شیعہ

انڈیا کے فرقہ روافض نے جنگ آزادی: 1857 میں حصہ نہیں لیا۔آج بھی فرقہ روافض کی اکثریت اہل حکومت کے ساتھ ہے۔بی جے پی کو بھی وہ لوگ سپورٹ کرتے ہیں۔

علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہاں پوری نے رقم فرمایا: ''متحدہ ہندوستان کی سرزمین میں بسنے والے مسلمانوں کا مذہب، اہل سنت وجماعت تھا، جن کو آج کل بریلوی مکتب فکر کے نام سے موسوم کیا جانے لگا ہے، اور جملہ جماعتیں جو آج کل نظر آرہی ہیں، وہ انگریزی دور حکومت میں اسی جماعت سے برٹش گورنمنٹ کے تخریبی منصوبے کے تحت جدا ہوکر بنی ہیں، ماسوائے شیعہ حضرات کے جو سرزمین پاک وہند میں مغلوں کے دور سے موجود تو تھے، لیکن انتہائی اقلیت میں، یعنی آٹے میں نمک کے برابر۔ان حضرات نے اپنے لیے یہی بہتر

سمجھا کہ برٹش گورنمنٹ کے وفادار اور خیر خواہ بن کر رہیں، اسی لیے انگریزوں کے خلاف انہوں نے کبھی کسی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ شیعہ صاحبان کی اس وفاداری کا ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے یوں اعتراف کیا ہے: ''بغاوت کے غیر ضروری ہونے پر ان کا اعلان بغیر کسی دباؤ کے واقع ہوا، اور یہ بات نہایت ہی خوب ہے کہ ایسا اعلان باضابطہ طور پر تحریر میں آ گیا۔ اس دستاویز پر مستند اور قابل اعتماد شیعہ علما کی مہریں ثبت ہیں اور یہ پورا فرقہ اس پر ہمیشہ عمل کرنے کے لیے مجبور ہے۔ اس قسم کے باقاعدہ وعدوں کے بغیر بھی وہ قدرتاً وفادار ہیں''۔

(ولیم ہنٹر ڈاکٹر: ہمارے ہندوستانی مسلمان: ص109)

(مشعل راہ: ص780-781-فرید بک اسٹال لاہور)

برطانوی حکومت اور فرقہ قادیانیہ

جنگ آزادی: 1857 کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے دلوں سے شوق جہاد نکالنے کے واسطے غلام احمد قادیانی کو مقرر کیا، تاکہ وہ برصغیر میں اطمینان سے حکومت کر سکے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا: ''میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت (برٹش گورنمنٹ) کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی (امام مہدی علیہ السلام) اور مسیح خونی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی بے اصل روایتیں (جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں) اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل (جو حکم خدا اور عمل وارشاد مصطفیٰ ہے) جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں''۔ (تریاق القلوب: ص25)

(مشعل راہ: ص776-فرید بک اسٹال لاہور)

قادیانی کی عبارت میں قوسین کے درمیان علامہ شاہجہاں پوری کی عبارت ہے۔

جنگ آزادی: 1857 میں سنی مسلمانوں نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ اگر اس میں کامیابی ہو جاتی تو برصغیر میں بدمذہبیت کو فروغ کا موقع نہ ملتا، کیوں کہ بادشاہ دہلی بھی سنی تھا۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم:: والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم:: وآلہ العظیم

خاتمہ

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

محل تعجب ہے کہ بعض لوگ عہد حاضر کے بد مذہب فرقوں اور مرتد جماعتوں سے سیاسی اتحاد کی کوشش میں مبتلا ہیں، خاص کر دیوبندیوں سے بغل گیر ہونے کو بے قرار ہیں اور بد مذہبوں اور گمرہوں کے اعلانیہ رد وابطال سے بھی گریز کرتے ہیں، جب کہ ضالین ومرتدین مذہب اہل سنت وجماعت کے معمولات ومراسم اور عقائد ونظریات پر مسلسل زہر افشانی کر رہے ہیں اور ہماری جانب سے مستحکم جوابات عوام الناس تک پہنچ نہیں پا رہے ہیں۔ ہماری خموشی کے سبب عوام مسلمین کے درمیان مختلف قسم کے افکار ونظریات جنم لے رہے ہیں۔

بعض لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ سنی اور وہابی ودیوبندی سب اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ بعض لوگ وہابیت ودیوبندیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر متصلب سنی بھی نرم پڑتے جا رہے ہیں۔ علمائے اہل سنت کو چاہئے کہ سنجیدہ اور مثبت انداز میں مرتد اور بد مذہب فرقوں کے حقائق وعقائد کو اجاگر کریں۔ اہل سنت کے باہمی اختلاف کو اسٹیج پر نہ لائیں۔

عصر حاضر میں بد مذہب اور مرتد جماعتوں سے سیاسی اتحاد بھی عوام اہل سنت کے حق میں مضر ہے، لہٰذا اتحادی نظریہ پیش نہ کیا جائے۔ ہم نے سیاسی اتحاد کے ضرر ونقصان کو اپنے تین رسائل میں بیان کیا ہے: (1) روشن مستقبل کے سنہرے خاکے (2) عرفانی نظریات کے حساس مقامات (3) ظلم وستم اور حفاظتی تدابیر۔ رسالہ حاضرہ میں بھی یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہابیہ، دیابنہ، شیعہ وقادیانیہ ہمیشہ اہل حکومت اور اصحاب قوت کے تملق میں مبتلا رہے ہیں، لہٰذا اہل سنت وجماعت کو انفرادی طور پر پیش قدمی کرنی چاہئے۔ آج بھی بھارت میں اہل سنت وجماعت کثیر التعداد ہے۔ اہل سنت وجماعت کے باہمی اتحاد پر غور وفکر کیا جائے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم :: والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم :: وآلہ العظیم

مؤلف کے کلامی وفقہی رسائل وکتب

(1)البرکات النبویہ فی الاحکام الشرعیہ (بارہ رسائل)

(2)مسئلہ تکفیر کس کے لیے تحقیقی ہے؟ (خلیل بجنوری کے نظریات کا رد)

(3)ضروریات دین کی تعریفات (ضروریات دین کی تعریفات کا تجزیہ)

(4)فرقہ وہابیہ: اقسام واحکام (مرتدین کے متعدد طبقات واحکام کا بیان)

(5)تحقیقات وتنقیدات (لفظ خطا سے متعلق مضامین کا مجموعہ)

(6)اعلامیہ (1443-2021) (امت مسلمہ کے نام ہدایت نامہ)

(7)معبودان کفار اور شرعی احکام (معبودان کفار کی مدح سرائی کے احکام)

(8)مناظراتی مباحث اور عقائد ونظریات (اہل قبلہ کی تکفیر پر تبصرہ)

(9)تاویلات اقوال کلامیہ (کلامی اقوال کی توضیح وتشریح)

(10)معروضات وتأثرات (رسالہ: ''اہل قبلہ کی تکفیر'' پر معروضات)

(11)ضروریات دین اور عہد حاضر کے منکرین (دفتر اول)

(12)ضروریات دین اور عہد حاضر کے منکرین (دفتر دوم)

(13)ضروریات دین اور عہد حاضر کے منکرین (دفتر سوم)

(14)روشن مستقبل کے سنہرے خاکے (دین ومسلک کے فروغ کی تدابیر)

(15)تصاویر حیوانات: اقسام واحکام (کس تصویر کی حرمت پر اجماع ہے؟)

(16)عرفانی نظریات کے حساس مقامات (عرفان مذہب ومسلک پر تبصرہ)

(17)ہندودھرم اور پیغمبر واوتار (مکتوب مظہری کی توضیح وتشریح)

(18)ظلم وستم اور حفاظتی تدابیر (بدمذہبوں سے میل جول کے احکام)

(19)تکفیر دہلوی اور علمائے اہل سنت وجماعت (دہلوی کی تکفیر فقہی کا بیان)

(20)حوالہ دکھاؤ! ایک لاکھ انعام پاؤ! (تکفیر دہلوی سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ)

(21)وہابیوں کی سیاسی بازی گری (وہابیوں اور دیوبندیوں کی سیاسی تاریخ)

ورفعنا لک ذکرک

قرآن مجید کی ہر آیت میں مدح مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہے، گرچہ ہمارا علم وشعور اس کا ادراک نہیں کر پاتا۔ امام احمد رضا قادری (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) نے تحریر فرمایا۔

''شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی) نے اخبار الاخیار میں بعض اولیا کی ایک تفسیر بتائی، جس میں انہوں نے ہر آیت کو نعت کر دیا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۲۵۲ - رضا اکیڈمی ممبئی)

﴿اَخْرَجَ اَبُوْ یُعْلٰی وَابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَابْنُ حِبَّانَ وَابْنُ مَرْدَوَیْہِ وَاَبُوْنُعَیْمٍ فِی الدَّلَائِلِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ: اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ: تَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ؟ قُلْتُ: اَللّٰہُ اَعْلَمُ قَالَ: اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ﴾

(الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۸ ص ۵۴۹)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس جبریل امین آئے تو انھوں نے کہا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رب دریافت فرماتا ہے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے کیسے آپ کا ذکر بلند فرمایا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ زیادہ علم والا ہے۔ جبریل امین نے جواب دیا (کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو میرے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے۔